

قرآن و حدیث میں نسخ: مختلف نکتہ ہائے نظر کا جائزہ

ABROGATE IN QURAN AND HADITH: A REVIEW OF DIFFERENT POINTS OF VIEW

* Prof. Dr. Atiq Amjad

** Dr. Zahida Shabnum

ABSTRACT

Islam is a natural religion for human being. It mends his thinking, perception and disposition. Things that may harm their health, moralities and social pursuits, Islamic Sharia prohibited them and titled them as 'Haram' Whereas Islam considers human natural habits, it is also keeps in view its contemporary challenges. Its gradual and abrogative principles. Among these principles, "Abrogative Principles" is also one of them. The already exist injunction is titled as "Abrogated", whereas abrogating injunction may be titled as "Abrogates". As in previous Sharia's 'abrogative principles' is also existed in Islam. This abrogation in Islam may be bifurcated into four kinds: i. abrogation of Quran with Quran, ii. Abrogation of Quran with Sunnah iii. Abrogation of Sunnah with Quran iv. Abrogation of Sunnah with Sunnah. About this principle "Nasikh and Mansookh", even companions of Holy Prophet SAW had not allowed any one to issue ant decree or deliver speech on this topic who was not well acquainted with this topic. Various renowned scholar have compiled heavy books on this topic. On defining this term, the predecessors and antecessors were differed. The meanings of "Abrogation", conditions, objections and solutions have been described in this article.

Keywords: Quran, Hadith, abrogation, Islamic sources, Qur'anic text

تمہید:

اسلام دین فطرت ہے، یہ انسانی طبائع، مزاج اور فکر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی اصلاح کرتا ہے اور جو چیز اس کی فلاح و بہبود کے منافی ہے یا اس کے اخلاق، صحت اور معاملات کے لیے نقصان دہ ہیں، شریعت اسلامیہ ان کو حرام قرار دیتی ہے اور اسلام جہاں انسانی طبائع اور مزاج کو مد نظر رکھتا ہے، وہاں حالات و زمانہ کی رعایت بھی رکھتا ہے، اور اس کے لیے تدریج اور تنسیخ وغیرہ کے اصولوں کو پیش نظر رکھتا ہے۔ انہی اصولوں میں سے ایک اصول نسخ ہے۔ نسخ لغوی اعتبار سے ازالہ کر دینا، رفع کر دینا، مٹا دینا وغیرہ کے معنی میں آتا ہے، یعنی پہلے سے موجود حکم کو منسوخ اور نئے آنے والے حکم کو نسخ کا نام دیا جاتا ہے۔ اور مختلف شریعتوں کا نسخ دراصل یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام تغیر احوال، ارتقاء شعور اور سماجی تبدیلیوں کو نہ صرف قبول کرتا ہے بلکہ اس میں مثبت تغیر و ارتقاء کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ اور منفی تبدیلیوں کا حل بھی پیش کرتا ہے۔ اول اس کو شرائع کی تنسیخ اور انبیاء علیہم السلام کی پے درپے بعثت سے ظاہر کیا گیا، تا آنکہ خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت سے اولادِ آدم کو نوازا

* Ph.D., Department of Islamic Learning, University of Karachi.

** Ph.D., Department Of Islamic Studies, Gc University Lahore.

گیا، اسی سماجی ارتقاء اور تغیر احوال کو اس حقیقی دین میں بھی قبول کیا گیا، اور اسلامی قانون میں بھی رُکھا گیا ہے، اور اس میں یہ نسخ چار صورتوں میں ہوا ہے۔

- نسخ القرآن بالقرآن
- نسخ القرآن بالسنة
- نسخ السنة بالقرآن
- نسخ السنة بالسنة۔

اس علم کی اہمیت کے پیش نظر حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت حذیفہؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ ایسے خطیب و واعظ کو خطبہ دینے اور وعظ کہنے سے منع کرتے تھے۔ جو نسخ و منسوخ کا علم نہیں رکھتا تھا، علم نسخ کی اسی اہمیت کے پیش نظر ہی صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؓ، محدثین اور فقہاء سبھی نے اس علم کو خصوصی طور پر مد نظر رکھا اور احادیث کی تدوین، تبیین اور تشریح میں اس کو ملحوظ رکھا، محدثین اور فقہاء نے بھی فقہی مسائل کے استنباط اور فتاویٰ جاری کرنے کے لئے علم نسخ و منسوخ اس کو اس لیے بہت زیادہ اہمیت دی کہ علم و نسخ و منسوخ کی بنا پر ہی ایک مسئلہ مشروع و ممنوع کی صورت تیار کر جاتا ہے۔ علم نسخ و منسوخ شریعت اسلامیہ کا ایسا باب ہے جس کے شریعت اور امت مسلمہ پر گہرے علمی و عملی اثرات مرتب ہوئے ہیں، جیسے ایک مسلمان بیت اللہ کو قبلہ بنانے کی بجائے بیت المقدس کو قبلہ بنا لیتا ہے اور دلیل کے طور پر رسول اکرم ﷺ کے سولہ سترہ ماہ مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف پڑھی گئی نمازوں کو پیش کر دیتا ہے تو اگر علم نسخ و منسوخ کی معرفت نہ ہو تو وہ اس مسئلہ کا حل کس طرح دے گا؟

محدثین و فقہاء نے اس علم میں بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام لیا، اور اس پر بہت سی کتابیں تالیف کیں۔ لیکن نسخ کے مفہوم میں متقدمین اور متاخرین کی تعریف و وسعت میں فرق ہونے کی بنا پر اسلاف امت نے بہت سے احکام کو بھی نسخ و منسوخ میں شامل کر دیا جو حقیقت میں نسخ و منسوخ کے بجائے عام و خاص، مطلق و مقید، رائج و مرجوح اور جمع و تطبیق کے زمرے میں آتے ہیں، لہذا متقدمین کی تالیفات میں وسعت کی بنا پر مندرجہ بالا اقسام میں آنے والے احکام بھی نسخ میں شامل کر دیئے گئے۔ جس بنا پر ان احکام کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی، لیکن متاخرین نے عام و خاص، مطلق و مقید، رائج و مرجوح کو نسخ سے الگ کر دیا اور جن آیات و روایات میں ترجیح یا جمع و تطبیق دے دی گئی، اور ان آیات و روایات اور احکام کو نسخ سے نکال دیا گیا۔ جو واقعتاً نسخ کے زمرے میں آتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں باب نسخ کو نہ صرف تسلیم کیا گیا بلکہ اس میں پوشیدہ حکمتوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ نسخ، صرف شریعت محمدیہ ﷺ سے مخصوص نہیں بلکہ پہلی شریعتوں میں بھی اس کا سلسلہ جاری رہا۔ بائبل میں درج ہے کہ نوح علیہ السلام کی شریعت میں ہر چلتا پھرتا جانور حلال تھا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سے جانور حرام کر دیئے گئے۔^۲ اور پھر تمام پہلی شریعتیں جو اپنے وقت میں مکمل طور پر نافذ تھیں، شریعت محمدیہ ﷺ سے منسوخ ہو گئیں حالانکہ وہ تمام شریعتیں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت سب منجانب اللہ تھیں اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اور مقرر کردہ تھیں۔ کتب تفاسیر میں مروی ہے کہ بعض منکرین اسلام نے رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا تھا۔ آپ ﷺ اپنے تابعین کو ایک کا حکم دیتے ہیں پھر اس کی ممانعت کر دیتے ہیں اور کوئی نیا حکم لے آتے ہیں۔ اس کے جواب میں درج ذیل آیت کریمہ نازل ہوئی:

"ما ننسخ من آية او ننسخها نأت بخير منها او مثلها ، الم تعلم ان الله على كل شيء قدير" ۳

نسخ کے لغت میں ایک سے زائد معانی پائے جاتے ہیں:

۱۔ نسخ بمعنی زائل کرنا، دور کرنا، ہٹانا، ابطال کرنا، مٹانا، ازالہ، مثلاً: "فینسخ الله ما یلقى الشیطن ثم یحکم الله آیاتہ" ۴ دور کرنا، جیسے عربی میں "دور کے شہر کے لئے" "بلدة" نسخة "یا" "بلدة" نسخیة " بولا جاتا ہے۔ نسخ بمعنی تبدیل کرنا۔ مثلاً و اذا بدلنا آية مکان آية ۵

۲۔ نسخ بمعنی تحویل یعنی تناسخ موارث۔ یعنی تحویل المیراث میں واحد/ الی واحد - ۱۰۔ نسخ بمعنی نقل کرنا/ لکھنا "جیسے" "نسخت الكتاب" ۱۱ اسی سے "نسخہ" ہے جو نقل کی ہوئی کتاب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ "استنسخ الشئ" ۱۲ کا معنی ہے نسخہ لکھنے کو کہنا۔ مثلاً قرآن میں ہے: "انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون" ۱۳ "جو کام تم کرتے تھے، ہم ان کو لکھتے جاتے تھے۔" گویا کلمہ نسخ ازالہ و ابطال، نقل و تحویل اور کتابت کے معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ شرعی احکام میں اس کا استعمال دو پہلوؤں سے ہوا ہے لہذا انہی کی لغوی تفصیل دی جا رہی ہے۔: یعنی اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

الف۔ ابطال الشئ و ازالته و افاقه اخر مقامہ۔ یعنی ایک چیز کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسری چیز کا لے آنا۔ جیسا کہ عربی محاورہ ہے "نسخت الشمس الظل" یعنی دھوپ نے آکر سایہ کو ہٹا دیا اور نسخ الشیب الشباب یعنی بڑھاپے نے جوانی کی جگہ لے لی۔

ب۔ ازالۃ الشئ دون ان یقوم آخر مقامہ: کسی چیز کا اس طریق پر زائل کر دینا کہ دوسری چیز اس کی جگہ پر نہ آئے۔ جیسے: نسخت الریح الاثر: ہوائے نشان قدم مٹا دیے، ۱۵ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فینسخ الله ما یلقى الشیطن"

"پھر اللہ تعالیٰ القاء شیطانی کو مٹا دیتا ہے۔"

۳۔ النقل و التحویل: کسی چیز کا ایک جگہ سے دوسری جگہ یا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اس طرح منتقل کرنا کہ وہ اپنی اصل شکل پر باقی رہے جیسے نسخت النحل العسل، اس وقت بولا جاتا ہے جب شہد کی مکھی شہد کو ایک چھتہ سے دوسرے چھتہ میں منتقل کرتی ہے۔ اسی سے تناخ الموارث ہے کیونکہ میراث ایک قوم سے دوسری قوم میں منتقل ہوتی ہے۔ تناخ نفس بھی اسی سے مانوڑ ہے کیونکہ تناخ کے قائلین کے نزدیک روح ایک بدن سے دوسرے بدن میں انتقال کرتی ہے۔ ۱۶

علامہ راغب اصفہانی نسخ کی لغوی تشریح میں لکھتے ہیں:

"نسخ کے اصلی معنی ایک چیز کو زائل کر کے دوسری کو اس کی جگہ پر لانے کے ہیں جیسے دھوپ کا سائے کو اور سائے کا دھوپ کو زائل کر کے اس کی جگہ لے لینا یا جوانی کے بعد بڑھاپے کا آنا کبھی اس سے صرف ازالہ کے معنی

مراد ہوتے ہیں جیسے فرمایا (لا ینسخ اللہ ما یلقى الشیطن) اور کبھی یہ صرف اثبات کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی اس سے معادوںوں معنی مفہوم ہوتے ہیں۔^{۱۷}

علمائے اصول میں اس لفظ کی توضیح معنی کی توجیہ میں اختلاف رہا ہے۔ قاضی عبدالوہاب، قاضی ابوبکر باقلانی اور امام غزالی کے نزدیک دونوں (نقل و ازالہ) معانی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ مشترک لفظی ہے کیونکہ لفظ نسخ بولنے سے دونوں معنی متبادر ہوتے ہیں۔ والاصل فی اطلاق الحقیقتہ۔ ابو العینین بصری، امام حازمی اور بقول صفی ہندی اکثر علمائے اصول کے نزدیک اس کی پہلی وضعیت ازالہ اور ابطال کے لیے ہوئی ہے لہذا یہی معنی حقیقی ہے اور بمعنی انتقال مجازی طور پر مستعمل ہے، اس کے صرف دو معنی ہیں لیکن نقل اس کا حقیقی معنی نہیں قرار پاسکتا کیونکہ نسخۃ الکتاب میں حقیقتہ نقل موجود نہیں، بلکہ منتقل ہے۔ جو مشابہت نقل ہے لہذا یقیناً ازالہ کے لیے موضوع لہ ہو گا۔ ورنہ کثرت مجاز لازم آئے گی۔ امام شافعی اور ایک جماعت کا خیال ہے کہ وضع اولی نقل کے لیے ہے کیونکہ نسخۃ الکتاب اگر حقیقت ہے تو مقصد پورا ہو گیا اور اگر مجاز ہے تو یہ ازالہ سے مستعار نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں ازالہ نہیں پایا جاتا اور یہ ازالہ کے مشابہ قرار پاسکتا ہے تو ضروری ہے کہ یہ نقل سے مستعار ہو، کیونکہ اس ازالہ کے لیے مجازاً مستعمل ہو گا تا کہ دونوں میں اشتراک نہ ماننا پڑے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ کلی متوائی ہے یعنی دونوں میں قدر مشترک کے لیے بنایا گیا ہے۔ ابن المنیر نے شرح برہان میں اسی کو مختار قرار دیا ہے۔^{۱۸}

نسخ کی اصطلاحی تعریف میں مختلف پہلوؤں کا لحاظ

شریعت میں نسخ بمعنی ازالہ ہے، کیونکہ منسوخ کا حکم نسخ کی طرف منتقل نہیں ہوتا بلکہ نسخ کے ذریعہ منسوخ کا ازالہ ہوتا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک نسخ شریعت میں اسم عرفی کے طور پر مستعمل ہے کیونکہ جب اس کا لغوی معنی "ازالہ" نسخ شرع میں متحقق نہیں ہے تو نسخ شرعی کے لیے یہ منقول عرفی ہو گا، اسم شرعی نہیں۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک اسم شرعی ہے کیونکہ اس کا لغوی معنی "ازالہ من وجہ" موجود ہے^{۱۹} علمائے اصول سے نسخ کی متعدد تعریفات منقول ہیں، تعریفات میں یہ تنوع اور توسع کیوں ہیں؟ مولانا عبدالعزیز علوی کے نزدیک اس کی مندرجہ ذیل وجوہ ہیں:

۱. نسخ کی جہتوں کے اعتبار سے۔۔۔ اور یہ دو ہیں، پہلی عباد اللہ کی طرف نسبت اور دوسری شارع کی طرف نسبت۔ بعض حضرات نے نسبت عباد کو ملحوظ رکھ کر تعریف کی اور بعض نے نسبت شارع کو پیش نظر رکھا ہے۔
۲. علمائے اصول مختلف مکاتیب فکر کے حامل ہیں اور ہر ایک نے اپنے مکتب فکر کی ترجمانی کا خیال رکھا ہے۔ اسی بناء پر اہل سنت کے علماء اور معتزلی علماء کی تعریفوں میں اختلاف ہے اور فقہاء نے بھی الگ تعریف کی ہے۔
۳. نسخ کا اطلاق شارع کے فعل پر بھی ہوتا ہے اس طرح فاعل شارع ہے اور نسخ کا باعث بننے والا حکم بھی، پس کسی نے نسخ کو ملحوظ رکھا، اور کسی نے فعل الشارع کے اعتبار سے نظریہ بنایا۔
۴. بعض حضرات نے تمام جزئیات کو تعریف میں سمیٹنا چاہا، کیونکہ تعریف ایضاح و تبیین کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے ان کی تعریف طویل ہو گئی البتہ بعض حضرات نے اس کا اختصار کرنے کی کوشش کی ہے۔^{۲۰}

چونکہ ان سب کا مقصد و مرجع ایک ہی حقیقت کی تعبیر کرنا ہے۔ اس لیے حقیقت ایک ہے لیکن تعبیرات میں تنوع ہے۔ نسخ کی دو تعریفیں بہت مشہور ہیں جو اختصار لفظی کے باوصف وضاحت نسخ میں مسلمہ ہیں۔ پہلی اصولیین کی ہے، اور دوسری فقہاء کی۔ علمائے اصول نے نسخ کی یہ تعریف کی ہے۔

"رفع الحكم الشرعی بدلیل شرعی" ۲۱

فقہاء اس کی یہ تعریف کرتے ہیں۔

"هو النص الدال على انتهاء امر الحكم" ۲۲

دونوں تعریفات میں علامہ ابن الحاجب اور ابن حمام کے نزدیک 'خلاف لفظی' ہے، ۲۳ جبکہ قاضی باقلانی، رازی، سبکی اور علامہ محب اللہ بہاری نے اس کو خلاف معنوی قرار دیا ہے۔ ۲۴ علامہ ابن حاجب کی دلیل یہ ہے کہ رفع سے مراد (تعریف اول میں) یہ ہے کہ نسخ کو ورود سے قبل ہمارے اذہان میں حکم کے استمرار کا گمان تھا۔ نزول نسخ سے یہ تعلق مظنون زائل ہو گیا اور انتہاء الحکم کا حاصل بھی یہی ہے۔ اس پر علامہ بہاری فرماتے ہیں کہ خطاب مطلق اللہ تعالیٰ کے علم محیط میں مقید بالدوام ہو گا یعنی تمام ازمینہ کو شامل ہو گا یا اس کی تخصیص ایک خاص زمانہ کے لیے ہو گی۔ تو اگر مقید بالدوام ہے تو نسخ حکم مقید بالدوام کے رفع کا نام ہے اور اگر زمان نسخ تک کے لیے خاص ہے تو یہ مدت حکم کے بیان کا نام ہے۔ لہذا جس نے نسخ کی تعریف 'رفع الحکم شرعی' سے کی۔ اس کے نزدیک حکم مقید بالدوام تھا اور جس نے انتہاء الحکم سے کی، اس کے نزدیک حکم بعض ازمینہ کے ساتھ مخصوص تھا۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ رفع الحکم تو معتزلہ کے نزدیک قتل کی طرح ہے کہ اگر قاتل مقتول کو قتل نہ کرتا تو وہ زندہ باقی رہتا اور انتہاء الحکم، اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک قتل کی طرح ہے کہ مقتول اپنی اجل سے فوت ہوا ہے۔ قتل تو صرف آدم اجل کی علامت ہے۔ اگر قاتل قتل نہ بھی کرتا تو مقتول اپنی اجل سے فوت ہو جاتا۔ ۲۵ علامہ بحر العلوم نے علامہ بہاری کے قول کی توضیح کی ہے۔ اور علامہ ابن حاجب کی رائے کو درست قرار دیا ہے، وہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں، کہ حکم مقید بالتابید (ہمیشہ کے لیے) یا مقید مطلق عن التابید والتوقیت سے ہو گا، اللہ تعالیٰ کے علم محیط میں ہر ایک کے لیے ایک وقت معین مقدر ہے جب یہ وقت آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک دوسرا حکم نازل فرما دیتا ہے اور پہلا حکم اٹھالیا جاتا ہے تو یہاں بھی اس مقتول کی طرح ہے، جو اپنی اجل سے ختم ہوا۔ اور یہ حکم رفع امانت (حکم) کے لیے علامت ہے۔ تو جس نے ارتقاع کو ملحوظ رکھا، اس نے رفع الحکم سے تعبیر کی اور جس نے مقدر عند اللہ کا خیال کیا، اس نے انتہاء الحکم سے توضیح کی۔ یہاں وہ اکثر ائمہ احناف خصوصاً امام فخر الاسلام بزودی کے اقوال کو بھی اپنی تائید قرار دیتے ہیں۔ ۲۶

"رفع الحكم الشرعی بدلیل شرعی" ۲۷ کی تعریف چونکہ اصولیین کے ہاں پسندیدہ بھی ہے اور مروج بھی یہی ہے۔ لہذا اس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ حکم شرعی سے مراد ہے، حاکم یعنی اللہ تعالیٰ کا مکلفین کے نام وہ خطاب، جو ان پر کسی حکم کو لازم کرتا ہے، یا کسی سے منع کرتا ہے، یہ یا تو براہ راست مقصود یا پھر کسی حکم کا سبب، شرط یا مانع بن کر آتا ہے، اور اسے صحیح یا فاسد قرار دیتا ہے۔ اگر براہ راست مقصود ہو تو اسے حکم تکلیفی کہتے ہیں، اور اگر براہ راست مقصود نہ ہو تو اسے حکم وضعی کہتے ہیں۔ حکم تکلیفی کی پانچ اقسام ہیں۔ فرض یا واجب، مندوب، حرام، مکروہ یا مکروہ تنزیہی اور مباح۔ ۲۸ احناف کے نزدیک اس کی سات اقسام ہیں وہ فرض اور واجب، اور حرام اور مکروہ تحریمی کو مصدر (قرآن یا خبر متواتر اور خبر واحد) کے اعتبار سے دو دو قسمیں شمار کرتے ہیں۔ ۲۹ حکم وضعی کی پانچ اقسام ہیں۔ سبب، شرط، مانع، صحت و فساد اور رخصت و عزیمت ۳۰ دلیل شرعی سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحی ہے، اور اس کی دو اقسام ہیں۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو۔ وحی متلو سے مراد قرآن کریم ہے، جس

کی اصولیین نے یہ تعریف کی ہے۔ "ھو کلام اللہ المنزل علی محمد ﷺ المتعبد بتلاوته"۔^{۳۱} جبکہ وحی غیر متلو سے مراد حدیث رسولؐ ہے، جس میں آپ ﷺ کا قول و فعل اور تقریر تینوں شامل ہیں۔^{۳۲} رفع الحکم کی تعبیر سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس کے لئے نسخ و منسوخ کا ہونا ضروری ہے۔ اور نسخ و منسوخ کے لئے دو شرطوں کا ہونا لازمی ہے۔ ایک یہ کہ منسوخ سے نسخ متاخر ہو گا۔ اور دوسرے یہ کہ دونوں کا باہم حقیقی متعارض ہونا لازمی ہے۔^{۳۳} نسخ کے لئے دونوں شرطوں کا پایا جانا ہر حال میں لازم ہے۔ الحکم سے متحقق ہے، کہ تنسخ صرف احکام میں ہوگی، عقائد و اخلاق میں نہیں ہوگی۔^{۳۴} اور چونکہ احکام کا مصدر و مرجع قرآن حکیم کے ساتھ سنت مطہرہ بھی ہے۔ لہذا دونوں میں نسخ کی محلیت پائی جاتی ہے، اور سنت عام ہے، وہ قولی بھی ہے اور فعلی بھی۔ رفع الحکم الشرعی میں اضافت پائی جاتی ہے۔ جو مصدر اِلیٰ المفعول ہے۔ اور یہاں فاعل اللہ تعالیٰ ہے، جو کہ یہاں مضمحل ہے، حقیقتہً نسخ اللہ کی ذات ہے لیکن نسخ کا اطلاق حکم متاخر پر بھی ہوتا ہے، جو کہ حکم اول کا رافع ہے۔ جیسے وجوبِ صیامِ رمضان نسخ ہے، وجوبِ صومِ عاشوراء کا، بعض اوقات حقیقی فاعل کی بجائے غیر حقیقی فاعل کی طرف بھی نسبت کر دی جاتی ہے۔ اس کی بہت سی امثلہ قرآن کریم میں بھی موجود ہیں۔

قرآن و حدیث میں نسخ پر اجماع کے باوصف اس کے بعض پہلوؤں پر علماء متقدمین اور متاخرین میں اختلافِ آراء پایا جاتا ہے، نسخ کے تعین میں علماء کے نکت ہائے نظر مختلف ہیں، اسی طرح نسخ کے مفہوم اور اس کی تعریف و وسعت میں فرق ہونے کی بنا پر اسلاف امت نے بہت سے احکام کو بھی نسخ و منسوخ میں شامل کر دیا، جن میں نسخ کا متاخرین انکار کرتے، اور انہیں مخصص و مقید وغیرہ گردانتے ہیں۔ ذیل میں ان مختلف نکت ہائے نظر کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

قرآن و حدیث میں نسخ: مختلف نکت ہائے نظر کا جائزہ

۱۔ باعتبار نسخ اختلاف کا اجمالی جائزہ:

اگرچہ علمائے اہل سنت، قرآن و حدیث میں نسخ کے قائل ہیں، لیکن وہ باعتبار نسخ مختلف نکت ہائے نظر رکھتے ہیں۔ اس فصل میں ان آراء کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ نسخ کو باعتبار نسخ چار اقسام میں بیان کیا گیا ہے۔

(الف) نسخ القرآن بالقرآن: اس کے درست ہونے پر اجماع ہے۔ ب) نسخ السنۃ بالسنۃ: اس کے صحیح ہونے پر بھی اجماع ہے۔ ج) نسخ القرآن بالسنۃ: اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ پہلا موقف یہ ہے کہ قرآن کا نسخ سنت سے درست ہے اور یہ ممکن ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ سنت قرآن کی نسخ عقلاً ہو سکتی ہے سمعاً نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سنت کو قرآن کا نسخ تب مانا جائے گا جب خود قرآن اس کو قوت و تائید فراہم کر رہا ہو۔ چوتھا نکتہ نظر یہ ہے کہ سنت قرآن کی نسخ ہو ہی نہیں سکتی۔

(ب) نسخ السنۃ بالقرآن: اس کے بھی وقوع پذیر ہونے میں اہل علم میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اور اس میں اسی طرح چار مختلف آراء بیان کی جاتی ہیں جس طرح نسخ القرآن بالسنۃ میں ملتی ہیں۔ یعنی کہ پہلا موقف یہ ہے کہ سنت کا نسخ قرآن سے درست ہے اور یہ ممکن ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ سنت کا قرآن نسخ ہو سکتا ہے، سمعاً نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ قرآن کو سنت کا نسخ تب مانا جائے گا، جب خود قرآن اس کو قوت و تائید فراہم کر رہا ہو۔ چوتھا نکتہ نظر یہ ہے کہ سنت قرآن کی نسخ ہو ہی نہیں سکتی۔ جمہور اہل علم کے ہاں یہ چاروں صورتیں جائز ہیں۔ ان میں امام مالک، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، اکثر متکلمین، اشاعرہ اور معتزلہ شامل ہیں۔ جب کہ امام شافعی، اکثر اہل ظاہر اور ایک روایت کے

مطابق امام احمد بن حنبلؒ اس سے مختلف رائے دیتے ہیں۔ مخالفین جواز میں سب سے اہم، پختہ، علمی اور مدلل بحث حضرت امام شافعیؒ کی ہے۔ اس لئے ذیل کی سطور میں ان ہی کے دلائل بالا اختصار زیر بحث لائے جائیں گے۔

امام شافعیؒ کا نسخ کے بارے میں نظریہ:

امام شافعیؒ کے بارے میں عام افراد کا خیال یہ ہے کہ انہوں نے نسخ القرآن بالسنہ اور نسخ السنہ بالقرآن کا انکار کیا ہے۔ لیکن اگر ان کی مایہ ناز کتاب "الرسالہ" کا منظر عمیق مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عقلاً ان اقسام نسخ کا انکار نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس کو اس شرط کے پائے جانے کے ساتھ مشروط کیا ہے، اور پھر ان اقسام نسخ کو قبول کیا ہے کہ اگر نسخ السنہ بالقرآن کی صورت پیدا ہوگی تو تبھی یہ نسخ تسلیم کیا جائے گا جب اس کا مؤید سنت میں موجود ہو گا۔ گویا وہ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قرآن سے سنت منسوخ ہو پھر کوئی دوسری سنتِ ناسخہ موجود نہ ہو، جو اس نسخ کی تائیدی وضاحت کرتی ہو۔ چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں:-

"ولو جازان قبیل قد سن رسول ﷺ ثم نسخ سنة بالقرآن ولا یوثر عن رسول الله ﷺ السنة الناسخة لجاز ان یقال فیما ہرم رسول الله ﷺ من البیوع کلھا قد یحتمل ان یکون حرمھا قبل ان ینزل علیہ، (و احل الله البیع و حرم الربوا) ۳۵ و فیمن رجم من الزنا، قد یحتمل ان یکون الرجم فسوخا بقول الله عزوجل (والزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منھا مائة جلدۃ) ۳۶ و فی المسح علی الخفین نسخت آءة الوضوء المسح و جاز ان یقال لا بدر اتقطع عن سارق سرق من غیر حرزو سرقتہ اقل من اربع دینار۔ یقول الله عزوجل (السارق والسارقة فاقطعوا یدیهما) ۳۷ لان اسم اسرقہ قد یلزم من سرق قلیلا و کثیرا و من حرز و غیر حرز۔" ۳۸

اگر اس قول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ رسول ﷺ نے ایک سنت جاری فرمائی اور اس کو قرآن نے منسوخ کر دیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ سے اس کی سنتِ ناسخ منقول نہیں۔ تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ تمام بیوع جن کو حضور ﷺ نے حرام ٹھہرایا۔ ہو سکتا ہے ان کی حرمت کا حکم آیت، (و احل الله البیع و حرم الربوا) کے نزول سے پہلے دیا ہو۔ اور زانیوں کے رجم کے متعلق یہ کہا جائے کہ ہو سکتا ہے رجم آیت حل (والزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منھا مائة جلدۃ) سے منسوخ ہوا۔ اور مسح خفین آیت وضو سے منسوخ ہوا اور یہ کہنا جائز ہو گا کہ جس چور نے غیر محفوظ جگہ سے کوئی چیز چرائی ہو۔ یا چوری کی مقدار ربع دینار سے کم ہو تو اس سے حد کو رفع (دور) نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (السارق والسارقة فاقطعوا یدیهما) اس لئے لفظ سرقہ کا اس پر بھی اطلاق ہو گا۔ جس نے غیر محفوظ جگہ سے چوری کی ہو یا (دینار کے چوتھائی حصہ سے) کم کی چوری کی ہو یا زیادہ کی امام صاحب نے یہاں جس خطرہ کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ پورا ہوا ہے اور اب بھی اطلاق قرآن کی آڑ میں سنتِ صحیحہ کو رد کر دیا جاتا ہے۔ علامہ زرکشی اور تاج الدین سبکی کے اقوال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ امام زرکشی رقم طراز ہیں۔

"والصواب ان مقصود الشافعی ان الكتاب والسنة لا یوجد ان مختلفین الا ومع احدهما ناسخ له ، و هو تعظیم عظیم و ادب مع الكتاب والسنة و فهم لموقع احدهما من الاخرة۔" ۳۹

صحیح بات یہ ہے کہ امام شافعی کا مقصد یہ ہے کہ قرآن و سنت میں کبھی بھی اختلاف نہیں ہوتا۔ الایہ کہ ہر ایک کا اسی جیسا نسخ موجود ہو (یعنی قرآن کے ساتھ قرآن، اور سنت کے ساتھ سنت) اور یہ تو کتاب و سنت کی بڑی تعظیم ادب ہے ایک کا دوسرے کے اعتبار سے جو مقام ہے اس کو سمجھ لینا ہے۔
علامہ سبکی فرماتے ہیں:

"مرار الشافعی انه حیث وقع نسخ القرآن بالسنة فمعها قرآن عاضد لها یبیین توافق الكتاب والسنة او نسخ السنة بالقرآن فمعہ سنة عاضدة له تبیین توافق الكتاب والسنة"۔^{۴۰}

امام شافعی کا مقصد یہ ہے کہ جہاں بھی قرآن کا نسخ سنت سے ہوا ہے تو سنت کے ساتھ قرآن میں بھی اس سنت کا موید ہونا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کتاب و سنت میں توافق ہے۔

اسی طرح جب سنت کا نسخ قرآن سے ہوتا ہے قرآن کے ساتھ اس کی تائید میں سنت بھی موجود ہوتی ہے جو یہ واضح کرتی ہے کہ کتاب و سنت میں اتفاق ہے۔ علامہ سبکی نے اپنی تائید میں امام صاحب کی اس عبارت کو پیش کیا ہے۔

"فان قال هل تنسخ السنة بالقرآن ؟ قيل له لو نسخت السنة بالقرآن كانت لنبي فيه سنة تبين ان سنة الاولى منسوخة لسنته الاخرة في تقويم الحجة على الناس باف الشیبة ينسخ بمثله"۔^{۴۱}

اگر معترض کہے۔ کیا سنت قرآن سے منسوخ ہو سکتی ہے؟ تو اس کو جواب دیا جائے گا کہ اگر سنت قرآن سے منسوخ ہوگی تو نبی اکرم ﷺ کی سنت موجود ہوگی، جو واضح کرے گی کہ پہلی سنت کو دوسری سنت سے منسوخ کر دیا گیا ہے تاکہ لوگوں پر یہ واضح ہو جائے کہ نسخ ہم رتبہ چیز سے ہوتا ہے۔

علامہ سبکی نے تو دلیل صرف نسخ السنة بالقرآن کے لئے پیش کی ہے لیکن اگر (الرسالة) کے جدید ایڈیشن کو دیکھا جائے تو اس میں ایک عنوان قائم کیا گیا ہے۔

"الناسخ والمنسوخ الذى تدل عليه السنة والاجماع"۔⁴²

اور دوسرا عنوان ہے۔

"الناسخ والمنسوخ الذى يدل الكتاب على بعضه والسنة على بعضه"۔^{۴۳}

اسی طرح علامہ احمد شاہ نے فہرست میں دو جگہ یہ عنوان قائم کیا ہے، "الحديث يبين الناسخ والمنسوخ من الكتاب"۔^{۴۴} جس سے امام صاحب کا نکتہ نظر بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ جہاں تک نسخ السنہ بالقرآن کا تعلق ہے تو امام صاحب کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ اگر نسخ السنہ بالقرآن تسلیم کر لیا جائے تو قرآن کے مطلقاً سے سنن کی تنسیخ کا دروازہ کھل جائے گا اور اس طرح بہت سی اخبار صحیحہ کے رد کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا، امام صاحب نے اس خدشے کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ بعض افراد قرآن کے اطلاق حکم پر مشتمل آیت کے نزول اور حدیث کے ورود میں زمانے کا صحیح تعین نہیں کر سکیں گے۔ بنا بریں بہت سی احادیث اپنے تئیں منسوخ سمجھ لیں گے، اس میں شک نہیں

کہ امام صاحب نے جن خدشات کا اظہار فرمایا ہے، وہ بعض افراد کی کج عملی سے پورے ہوتے نظر آئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر نسخ کی شرائط پر غور کریں تو یہ خدشات حقیقت کے برعکس ہیں۔ کیونکہ نسخ کی شرائط میں ہے کہ:

۱۔ نسخ و منسوخ تبھی ممکن ہے جب دونوں کے زمانہ کا درست اور قابل یقین تعین ممکن ہو سکے۔ اگر ایسا ممکن نہیں، تو ان دونوں میں توقف کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ دونوں سنت سے ہی مستفاد ہوں^{۴۵}۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ محض کسی ایک شخص یا گروہ کی غیر یقینی رائے کی بنیاد پر شریعت کے کسی حکم (قرآن یا سنت) پر خط تنسیخ کو حقیقت مان لیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اصولیوں نے اس کی تعریف ہی ان الفاظ میں کی ہے۔ "بدلیل شرعی متاخر"^{۴۶}۔

۲۔ نسخ کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ دونوں میں تعارض حقیقی موجود ہو۔ ورنہ نسخ نہیں ہوگا،^{۴۷}۔ لہذا تخصیص و تقیید اور تبیین وغیرہ خارج از بحث ہیں۔ اس سلسلے میں امام شافعی نے جو مثال دی ہے کہ حرمت بیوع کی احادیث سے (احل الله البيع و حرم الربوا)^{۴۸} کو متاخر سمجھتے ہوئے آیت کو نسخ مان لیا جائے گا۔ اس میں نسخ کی مذکورہ بالا شرائط پوری نہیں ہوتیں۔ نہ تو نزول و رد کے وقت کا یقینی تعین ہوگا اور نہ ہی دونوں میں باہم حقیقی تعارض موجود ہے۔ اسی طرح دیگر امثلہ ہیں۔

۲۔ نسخ کے مفہوم میں اختلاف کا جائزہ قدیم مفہوم:

نسخ کا قدیم مفہوم اپنے اندر وسعت و کشادگی سموئے ہوئے ہے۔ اس قدیم مفہوم میں بہت سی ایسی صورتیں بھی داخل ہیں جو متاخرین کی اصطلاح میں نسخ نہیں کہلاتیں۔ لغت میں موجود ذکر کردہ تمام مفاہیم متقدمین نے اصطلاحی نسخ میں شامل کئے ہیں۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے وہ تمام مفاہیم "الاتقان" میں درج کئے ہیں جو متقدمین، نسخ فی القرآن والسنة کے سلسلہ میں مراد لیتے رہے اور جن کے پیش نظر متقدمین نے خاص طور پر نسخ فی القرآن کی حدود کو وسعت دی۔ ان کے مطابق متقدمین نے درج ذیل مفاہیم مراد لئے ہیں:

* نسخ بمعنی ازالہ کرنا، دور کرنا، ہٹانا۔ * نسخ بمعنی تبدیلی۔

* نسخ بمعنی تحویل یعنی نسخ موارثت۔۔۔ * نسخ بمعنی نقل^{۴۹}

پس متقدمین کے نزدیک تخصیص و تعیم، تطبیق، تقیید نیز استثناء وغیرہ نسخ کے مفہوم میں شامل ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں مشرکہ عورت سے نکاح نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے: "ولا تنكحوا المشركت حتى يؤمن"^{۵۰}۔ "نہ نکاح کریں مشرکہ عورتوں سے حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔" اس میں مشرکہ عورت کا لفظ عام ہے جس میں کفار مکہ سے لے کر یثرب کی نصاریٰ اور موجودہ دور کی ہندو اور انگلستان کی عیسائی سے امریکہ و اسرائیل کی عیسائی و یہودی خواتین تک سب شامل ہیں۔ آیت کے عام حکم کے پیش نظر ہر مشرکہ عورت سے نکاح ممنوع قرار پائے گا جبکہ قرآن پاک کی ہی ایک دوسری آیت اس حکم عام کی تخصیص کرتی ہے: "والمحصنات من الذین اوتوا الكتاب"^{۵۱}۔ "اہل کتاب کی پاکدامن اور شریف عورتوں سے نکاح جائز ہے۔" حقیقت یہی ہے کہ آیت "والمحصنات" نے آیت "ولا تنكحوا" میں موجود تعیم کی تخصیص کر دی ہے، پس والمحصنات کو لا تنكحوا کا مخصص کہیں گے نہ کہ نسخ جبکہ متقدمین چونکہ تخصیص و تعیم کو بھی نسخ میں شمار کرتے تھے

پس ان کے ہاں آیت "والحصنات"، آیت "لا تنكحوا" کی نسخ ہے۔^{۵۲} اسی بناء پر علمائے متقدمین نے (مندرجہ بالا مفہیم لغویہ کے مد نظر) قرآن حکیم میں "تنسخ" کی حدود میں مبالغہ آمیز وسعت پیدا کر دی ہے، حتیٰ کہ بعض نے پانچ سو آیات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ البتہ بعض متقدمین نے اس وسعت مفہوم کو کچھ محدود کیا اور آیات منسوخہ کی تعداد ایک سو بتائی ہے۔^{۵۳}

زمانہ قدیم میں نسخ کے اس وسیع تر مفہوم کی بناء پر نہ صرف آیات قرآنیہ کی ایک بڑی تعداد پر خط تنسخ پھیر دیا گیا بلکہ مبالغہ کی حد تک آیات کے ہر ایک جزو پر نظر نسخ غور کیا گیا جس کے نتیجے میں ایک ہی آیت کے کچھ اجزاء کو منسوخ اور کچھ کو محکم قرار دیا گیا۔ جیسا کہ ابن العربی نے "خذ العفو وأمر بالعرف وأعرض عن الجاهلین" *^{۵۴} کے بارے میں کہا کہ اس کا پہلا اور آخری دونوں جزو منسوخ جبکہ درمیانی جزو محکم ہے۔^{۵۵} اسی طرح انہوں نے آیت "یا ایہا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذاھتدیتم"^{۵۶} کے جزو ثانی کو جزو اول کا نسخ قرار دیا۔^{۵۷}

آیات منسوخہ میں اضافے کی وجوہ:

۱۔ کوئی چیز جو کسی سبب کے باعث شروع ہوئی تھی اور اس کا سبب زائل ہو گیا ہے جس سے حکم بھی بدل گیا تو اس کو منسوخ قرار دے دیا گیا، اس بناء پر ان تمام آیات کو جن میں صبر اور کفار کی اذیت پر تحمل کی تلقین مسلمانوں کے ضعف کی وجہ سے تھی۔ ان کو آیات قتال سے منسوخ قرار دیا گیا حالانکہ وہ منسوخ نہیں ہیں بلکہ ان کا مقصود یہ ہے کہ جب تم میں ضعف ہو تو قتال نہ کرو اور جب قوت و طاقت ہو تو قتال کرو۔^{۵۸} چنانچہ صرف اسی وجہ سے سو سے اوپر آیات کو منسوخ شمار کیا گیا ہے۔^{۵۹}

۲۔ ان چیزوں کا رفع جو جاہلیت میں مروج تھیں یا ہم سے پہلی شریعتوں میں موجود تھیں یا ابتداء اسلام میں پائی جاتی تھیں لیکن ان کا حکم آغاز اسلام میں قرآن میں نازل نہ ہوا تھا جیسا کہ نکاح نساء الایہ کا ابطال، قصاص و دیت کی مشروعیت، طلاق کو تین تک کے عدد میں محصور کرنا۔^{۶۰}

۳۔ تخصیص کو نسخ قرار دے دیا، اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

(الف) استثناء اور غایت و توقیت: "انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ"^{۶۱} کو "الا الذین تابو من قبل ان تقدروا علیہم"^{۶۲} سے منسوخ قرار دیا حالانکہ اس استثناء پر دلیل موجود ہے۔^{۶۳} "حتی یتوفھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلاً"^{۶۴} کو منسوخ قرار دیا حالانکہ حتی غایت پر دلالت کرتا ہے۔^{۶۵}

(ب) شرط: "والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاۃ"^{۶۶} کو "فان اراد فصلاً عن تراض منھا و تشاور فلا جناح علیہا"^{۶۷} سے منسوخ قرار دیا گیا ہے۔^{۶۸} حالانکہ "لمن اراد ان یتم الرضاۃ" سے ظاہر ہو رہا ہے کہ "حولین کاملین" (حولین کاملین) کی مرضی پر منحصر ہے اسی طرح "وللہ علی الناس حج البیت"^{۶۹} کو "من استطاع الیہ سبیلاً"^{۷۰} سے منسوخ قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ (من استطاع) توج کے لئے شرط ہے اس سے نسخ کا کیا سوال (اطلاق و تقید: "وللہ علی الناس حج البیت" "یا ایہا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم"^{۷۱} کو "لیس علیکم جناح ان تدخلوا بیوتا غیر مسکونہ"^{۷۲} سے منسوخ قرار دیا گیا ہے حالانکہ مطلق مقید پر محمول ہے۔

(ج) تخصیص عام:- "قل للمؤمنات یغضضن من ابصارهن" ۷۳ کو "والقواعد من النساء" ۷۴ سے منسوخ قرار دیا۔ ۷۵ الا نکہ یہ تخصیص عام ہے۔ مومنات کے عموم سے قواعد کو نکال دیا گیا۔

(د) وضاحت و بیان کو نسخ شمار کر لیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف" ۷۶ اس کو "ان الذین یاکلون اموال الیتیمی ظلماً انما یماکلون فی بطونهم ناراً" ۷۷ سے منسوخ قرار دیا گیا۔ ۷۸ حالانکہ پہلی آیت میں جو چیز ظلم نہیں اس کا بیان ہے تاکہ جو چیز ظلم نہیں اس کے بیان سے اس چیز کا پتہ چل جائے جو ظلم ہے۔

نسخ اور تخصیص میں فرق:

تخصیص اور نسخ میں فرق بہر حال موجود ہے متقدمین میں جس طرح نسخ کے مفہوم وسعت کو لا محدود کہا گیا اسی طرح بعض نے نسخ فی القرآن کو ماننے سے ہی انکار کر دیا بعض نے نسخ فی القرآن کو ازالہ کے معنی میں تسلیم کرنے میں لیت و لعل سے کام لیا۔ ابو مسلم خراسانی نے نسخ کو تخصیص کا نام دیا۔ درحقیقت تخصیص اور نسخ دو مختلف مقاصد کے حامل اصول ہیں جن کا اشتراک معنی صحیح نہیں۔ تخصیص "عام کو اسکے بعض فرد یا افراد کے ساتھ مخصوص کرنے کو کہتے ہیں۔" ۷۹ جبکہ لفظ "عام" سب افراد کے لئے وضع کیا گیا ہوتا ہے اور جب اسے بعض کے ساتھ مخصوص کیا جاتا ہے تو تخصیص کا کوئی قرینہ ضرور موجود ہوتا ہے اور مستثنیٰ افراد خاص کو چھوڑ کر باقی سب "عام" افراد کے لئے وہ حکم ہمیشہ اور ہر زمانہ میں باقی رہتا ہے جبکہ منسوخ نص اگرچہ اپنے اصلی اور موضوع لہ معنی کے لئے استعمال ہونے میں تعلیم کی طرح ہی ہوتی ہے لیکن اس کا حکم محدود وقت (ایک خاص وقت تک ہی رہتا ہے ہمیشہ اور ہر زمانہ میں وہ باقی نہیں رہتا۔ پھر تخصیص میں چونکہ کسی قرینہ کا پایا جانا بھی ضروری ہے اگرچہ وہ سابقہ ہو یا لاحقہ ہو یا حالیہ ہو جبکہ بخلاف ازیں، نسخ ہمیشہ منسوخ سے متاخر ہوتا ہے۔ تخصیص اور نسخ میں جوہری فروق کو ذیل میں نکتہ وار درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ عام تخصیص کے بعد مجاز ہو جاتا ہے کیونکہ اس وقت عام سے مراد بعض افراد ہوتے ہیں حالانکہ وہ وضع کل افراد کے لئے ہوا تھا اور مجاز پر قرینہ تخصیص ہے لیکن نسخ میں نص منسوخ ہمیشہ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل رہتا ہے کیونکہ اب نسخ نے آکر یہ واضح کیا کہ علم الہی میں استمرار حکم ایک خاص وقت تک کے لئے تھا اگرچہ نص ظاہر اتمام ازمان کو شامل تھا۔

۲۔ تخصیص ایسے امر میں نہیں ہو سکتی جو صرف ایک شخص کے لئے ہو اور عام نہ ہو لیکن اس کا نسخ ہو سکتا ہے۔

۳۔ خاص سے ایسے حکم کا ارتقاء ہوتا ہے جو عام سے پہلے ہی مراد نہیں ہوتا لیکن نسخ سے جس حکم کا ارتقاء ہوتا ہے وہ منسوخ سے مراد ہوتا ہے۔

۴۔ عام کی تخصیص کے بعد یہ جائز نہیں کہ حکم بالکل باقی نہ رہے لیکن نسخ میں ایسے ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے گویا تخصیص سے عام کی حیثیت باطل نہیں ہوتی بلکہ باقی افراد میں حیثیت برقرار رہتی ہے لیکن نسخ ہے بعض دفعہ حکم صرف بعض افراد سے اٹھایا جاتا ہے جن کو منسوخ شامل ہوتا ہے، اس لئے کچھ نہ کچھ حیثیت قائم رہتی ہے۔

۵۔ نسخ کے لئے ضروری ہے کہ نسخ و منسوخ مرتبہ میں برابر ہوں یا نسخ مرتبہ میں قوی ہو لیکن تخصیص میں توافق مرتبہ یا مخصص کا اقویٰ ہونا ضروری نہیں تخصیص کم مرتبہ سے بھی ہو سکتی ہے۔

۶۔ نسخ کا دلیل شرع ہونا ضروری ہے لیکن تخصیص عقل اور جن سے بھی ہو سکتی ہے۔

۷۔ نص نسخ کے لئے نص منسوخ سے متاخر ہونا ضروری ہے لیکن تخصیص سابق و لاحق اور تعاون سے بھی ہو سکتی ہے اور احناف کے نزدیک تو تخصیص کا متصل ہونا ضروری ہے۔

۸۔ نسخ اخبار میں واقع نہیں ہوتا اور تخصیص اخبار میں بھی ہو سکتی ہے۔^{۸۰}

متاخرین کے ہاں نسخ کا مفہوم:

نسخ کے قدیم مفہوم کے برعکس جدید دور میں متاخرین نے اس کے حدود مفہوم کو وسعت نہیں دی، وہ صرف اس صورت کو نسخ قرار دیتے ہیں، جس میں سابقہ حکم کو کلیتہً ختم کر دیا گیا ہو۔ تخصیص و تعیم، تطبیق و تقييد اور استثناء وغیرہ کو متاخرین علماء نسخ قرار نہیں گردانتے۔ شاطبی نے نسخ کی تمام تعریفات میں سے اسی تعریف کو لیا ہے۔ "رفع الحكم الشرعي بدليل شرعي"۔^{۸۱} چنانچہ جدید دور میں نسخ کے جس مفہوم کو ترجیح حاصل ہے، اس کے مطابق آیت "لا تتكفوا المشرکات" والی آیت "والمحصنات" والی آیت سے منسوخ نہیں، اس میں تخصیص ہے نہ کہ تنسیخ، آیت "لا تتكفوا المشرکات" کا حکم اور تلاوت اب بھی موجود ہے۔ لیکن آیت "والمحصنات" سے اس کے حکم کی وضاحت بالتخصیص کر دی گئی۔ اور وہ یہ کہ اس میں خواتین اہل کتاب شامل نہیں۔

تخصیص اور نسخ میں واضح فرق موجود ہے، گزشتہ صفحات میں اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ متقدمین میں جس طرح نسخ کے مفہوم کو محدود وسعت دی گئی، اسی طرح بعض نے نسخ فی القرآن کو ماننے سے بھی انکار کر دیا، بعض نے نسخ فی القرآن کو ازالہ کے معنی میں تسلیم کرنے میں لیت و لعل سے کام لیا۔ ابو مسلم خراسانی نے نسخ کو تخصیص کا نام دیا۔ درحقیقت تخصیص اور نسخ دو مختلف مقاصد کے حامل اصول ہیں جن کا اشتراک معنی صحیح نہیں۔ تخصیص "عام" کو اس کے بعض فرد یا افراد کے ساتھ مخصوص کرنے کو کہتے ہیں۔^{۸۲} جبکہ لفظ "عام" سب افراد کے لئے وضع کیا گیا ہوتا ہے اور جب اسے بعض کے ساتھ مخصوص کیا جاتا ہے تو تخصیص کا کوئی قرینہ ضرور موجود ہوتا ہے اور مستثنیٰ افراد خاص کو چھوڑ کر باقی سب "عام" افراد کے لئے وہ حکم ہمیشہ اور ہر زمانہ میں باقی رہتا ہے جبکہ منسوخ نص اگرچہ اپنے اصلی اور موضوع لہ معنی کے لئے استعمال ہونے میں تعیم کی طرح ہی ہوتی ہے لیکن اس کا حکم محدود وقت (ایک خاص وقت تک ہی رہتا ہے ہمیشہ اور ہر زمانہ میں وہ باقی نہیں رہتا، نسخ و تخصیص میں ماہرین ایک فرق یہ بھی کرتے ہیں کہ تخصیص عقل و حس سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جیسے "والسارق والسافق فاقطعوا ايديهما"^{۸۳} میں چوری کی کم از کم مقدار اور قطعید کی مقدار حدیث سے مختص ہوتی ہے، برعکس اس کے، نسخ کا اثبات صرف کتاب و سنت سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ عقلی دلیل کی بناء پر کسی شرعی حکم کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا ہے، آیات منسوخہ کی تعداد کی کثرت کی بنیاد تنسیخ و تخصیص میں فرق کو نہ کرنا ہی تھا، جبکہ متاخرین نے تنسیخ و تخصیص میں فرق کو اہمیت دی، تسلیم کیا اور اسی کے مطابق آیات منسوخہ^{۸۴} پر غور کیا تو ان کی تعداد مختلف مفسرین اور اصولیین کے نزدیک کم سے کم ہوتی گئی۔

آیت "والمحصنات" سے "لا تنكحوا المشركات" کے حکم کی تخصیص اسی انداز کی ہے یہ حکم تو صرف اہل کتاب کی پاک نہ رہنے والی یا غیر اہل کتاب عورتوں سے مخصوص ہے ان مشرکات وغیرہ محصنات کے لئے یہ حکم اب تک باقی ہے محصنات کے استثنیٰ کے ساتھ حکم باقی ہے جبکہ نسخ میں مکمل طور پر حکم منسوخ ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ متاخرین کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد بہت کم بتائی گئی ہے۔ ابن جوزی کے نزدیک "۲۲" مقامات پر نسخ واقع ہوا ہے۔^{۸۵} جبکہ علامہ سیوطی کے نزدیک "۱۹" آیات^{۸۶} اور ڈاکٹر صبحی صالح کے نزدیک "۱۰" آیات منسوخ ہیں۔^{۸۷}

متاخرین مفسرین کی ایک تیسری رائے یہ ہے کہ منسوخ آیات قرآنیہ صرف "۵" ہیں، یہ رائے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے انہوں نے علامہ سیوطی کی بیان کردہ "۱۹" آیات منسوخہ پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔ اور "۵" کے علاوہ باقی ان "۱۳" آیات میں ان کو ترجیح دی ہے جن کے مطابق ان میں تطبیق دینا ممکن ہے یہ رائے انہوں نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کے دوسرے باب میں نسخ پر بحث کے دوران دی ہے اور نسخ کو کم سے کم مفہوم میں محدود کیا ہے (یعنی کلیۃ حکم کو منسوخ کرنا) انہوں نے خداداد مفسرانہ ذوق فقیہانہ بصیرت سے فہم القرآن وعلوم القرآن میں خاص مدد ملی اور بالآخر ۵ آیات قرآنیہ کو منسوخ قرار دیا۔ ان کے مطابق منسوخ آیات درج ذیل ہیں۔ ۵۴^{۸۸} جن کی کسی صورت میں تطبیق ممکن نہیں۔ "کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت۔ الخ" ۸۹ ان یکن منکم عشرون صابرون۔ الخ ۹۰ لا یحل لک النساء من بعد۔ الخ ۹۱ یا ایہا الذین امنوا اذا ناجیتم۔ الخ ۹۲ یا ایہا المزملم قم اللیل۔ الخ ۹۳ جدید مفہوم نسخ کے مطابق جس آیت کی دوسری آیت سے تطبیق ممکن ہے وہ نسخ میں شامل نہیں، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قبل علامہ سیوطی نے متقدمین کی بتائی ہوئی تمام منسوخ آیات کو فن تطبیق میں آزمایا تو صرف "۱۹" آیات کی تطبیق ان سے نہ ہو سکی لیکن شاہ صاحب نے ان میں سے بھی "۱۳" آیات کی دیگر آیات سے مطابقت پیدا کر دی اب صرف "۵" آیات باقی رہ گئیں جنہیں منسوخ کہہ سکتے ہیں ان پانچ میں نسخ کو تسلیم کرنا ضروری ہے بعض علماء کرام کے نزدیک اب مزید آیات میں کوئی مطابقت پیدا کر کے "نسخ" کو صفر تک لانے کی کوشش کرے گا تو وہ کوشش بے کار اور فضول ہوگی، کیونکہ نسخ لازمی ہے اور اس کو ماننا ایمان کا حصہ ہے

شرط نسخ:

نسخ کے لئے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں نسخ کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں سے بعض متفق علیہ ہیں اور بعض مختلف فیہ۔ متفق علیہا شرطیں حسب ذیل ہیں:

۱ منسوخ حکم شرعی ہو، واجب لذاتہ یا ممتنع لذاتہ نہ ہو (جیسا کہ ایمان اور کفر ہیں)

۲ حکم اول کی نسخ دلیل واضح اور متاخر ہو، شرط، استثناء، تقیید و تاقیت کی طرح متصل نہ ہو۔

۳ نسخ دلیل شرعی ہو، دلیل عقلی نہ ہو (جیسا کہ عجز و موت ہیں)۔

۴ دونوں دلیلوں میں تعارض حقیقی ہو، صرف تغایر نہ ہو جیسے نماز، روزہ، کہ دونوں الگ الگ مستقل حکم ہیں۔^{۹۴}

۳۔ اجماع سے نصوصِ قرآن و سنت کی تنسیخ کا حکم:

قرآن و سنت کی نصوص کی اجماع کے ذریعے عدم تنسیخ پر علماء کی اکثریت کا اتفاق ہے۔ ابن تیمیہ کے مطابق قطعی اجماع کا منصوصات قرآن و سنہ کے ساتھ تعارض واقع ہی نہیں ہو سکتا۔^{۹۵} اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء اس اجماع کو اجماع کہنے پر تیار نہیں جو نصوص قرآن و سنہ سے معارض ہو، لہذا بذریعہ اجماع، نسخ نص کے جواز کا قول مختار نہیں۔^{۹۶} علامہ شوکانی نے یہ تصریح کی ہے کہ عیسیٰ بن ابان بذریعہ اجماع، سنت کے نسخ کا قائل ہے،^{۹۷} علامہ ابن تیمیہ نے بعض متکلمین اور اہل الرائے کو اور جب کہ صاحب نور الانوار نے معتزلہ کو اسی موقف کا حامی بتایا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اجماع نسخ سنت نہیں ہو سکتا، بلکہ نسخ السنہ، قرآن یا کوئی اور سنت ہوگی، اور اجماع اس دوسری سنت یا قرآن کے مطابق اور تائید میں ہوگا۔ نسخ القرآن والسنہ بالا اجماع کے قائلین عام طور پر دو آیات کا حوالہ دیتے ہیں۔ پہلی آیت مصارف زکوٰۃ ہے ان کے مطابق صحابہ کرامؓ نے بالا اجماع اس میں تالیفِ قلوب کے مصرف کو ساقط کر دیا۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اجماعاً اسے ساقط نہیں کیا بلکہ یہ تو ان حالات کا مطالعہ تھا کہ جن میں مؤلفۃ القلوب کی ضرورت اس وقت میں موجود نہیں تھی، امام زہری، امام باقر، امام حسن بصری، ابو ثور اور احمد کے نزدیک یہ نسخ نہ تھا اور نہ ہی اسقاط۔ دوسری آیت جو بطور مثال پیش کی گئی ہے وہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۱ ہے۔ جو اجماع صحابہؓ (میت کے دو بھائیوں کی موجودگی میں ماں کا ۱/۶ حصہ) سے معارض سمجھ کر منسوخ سمجھا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اجماع دو بہن یا بھائیوں کی موجودگی میں ماں کے ۱/۳ حصہ کو ۱/۶ نہیں کرتا بلکہ قرآن و سنت کے نظائر کی روشنی میں "اخوة" کے مفہوم کا تعین کرتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جمع مطلق کو "الاثنان فما فوقها جماعة" کو دلیل بنا کر عملی صورت واضح کی ہے۔^{۹۸}

الخلاصہ یہ کہ اجماع کا نسخ نصوص القرآن والسنہ سے محض یہ تعلق ہے کہ اول: اجماع نسخ کی اطلاع دے سکتا ہے۔ دوم: اجماع سے تفسیر احوال اور اضطراری صورتوں میں بعض نصوص کے اطلاقات کے نفوذ و عدم نفوذ کا تجزیہ کیا گیا ہے مثلاً قحط کی حالت میں حد سرقہ کے نفاذ کا عارضی تعطل۔^{۹۹}

حواشی و حوالہ جات

^۱ کتاب پیدائش ۹:۳

^۲ کتاب اخبار۔ ۷:۱۱

^۳ القرآن: سورۃ البقرہ (۲): ۱۰۶

^۴ سیوطی: جلال الدین، الاقناع فی علوم القرآن، طبعہ ثانیہ (ریاض: مکتبۃ المعارف، ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۶ء)، ج: ۲، ص: ۲۷

^۵ فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، طبعہ ثانیہ، (بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء)، مادہ ن س خ، ص: ۳۳۴

^۶ القرآن: سورۃ الحج (۲۲): ۵۲

^۷ ابن منظور الافریقی: محمد بن مکرم، ابوالفضل، لسان العرب، (بیروت: مؤسسۃ العلمی للطبوعات، ۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۵ء)، ج: ۳، ص: ۳۸۹۹

^۸ القرآن: سورۃ النحل (۱۶): ۱۰۱

- ۹ فیروز آبادی، القاموس المحیط (۳۳۴) مادہ ن س خ
- ۱۰ سیوطی، الاتقان، ج: ۳، ص: ۲۷
- ۱۱ ابن منظور، لسان العرب، ج: ۲، ص: ۳۸۹۹
- ۱۲ ایضاً
- ۱۳ ایضاً
- ۱۴ القرآن: سورۃ الجاثیہ (۲۵): ۲۹
- ۱۵ قرطبی: محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، (بیروت: دارالکتب العربی، ۲۰۰۷ء، ج: ۲، ص: ۶۲)
- ۱۶ شوکانی: محمد بن علی، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الوصول، طبع اول (مصر: محل محمد امین الخانجی، ۱۴۲۷ھ)، ص: ۱۸۳
- ۱۷ راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، (مصر: المطبعہ المیمنیہ علی نفقہ مصطفی البابی ۱۳۲۴ھ)، ص: ۵۱۵
- ۱۸ شوکانی، ارشاد الفحول، ص: ۱۸۳
- ۱۹ ابن الامیر الحاج: محمد بن محمد، التقریر والتحریر فی علم الوصول، طبعہ اولی (بیروت: دار الفکر، ۱۴۱۷ھ)، ج: ۳، ص: ۴۱
- ۲۰ عبد العزیز علوی: مولانا، النسخ والنسوخ، ص: ۱۱۳-۱۱۴
- ۲۱ ابن الامیر، التقریر والتحریر، ج: ۳، ص: ۳۴۸
- ۲۲ شوکانی، ارشاد الفحول، ص: ۱۸۳
- ۲۳ ایضاً
- ۲۴ ایضاً
- ۲۵ ایضاً
- ۲۶ ایضاً
- ۲۷ شوکانی، ارشاد الفحول، ص: ۱۸۳؛ کشف الاسرار، ج: ۳، ص: ۱۵۶، ۱۵۵
- ۲۸ زیدان: عبد الکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، (لاہور: فاران اکیڈمی، سن) ص: ۲۳-۲۵
- ۲۹ ایضاً
- ۳۰ ایضاً
- ۳۱ شوکانی، ارشاد الفحول، ص: ۲۹-۳۰
- ۳۲ الطحان: محمود، تیسیر مصطلح الحدیث، (لاہور، مکتبہ رحمانیہ، طبعہ وسن ندارد)، ص: ۱۹
- ۳۳ ابن جوزی: عبد الرحمن بن علی (۵۹۷ھ)، نواسخ القرآن، (بیروت: دارالکتب العلمیہ)، ص: ۱۶
- ۳۴ ابن جوزی، نواسخ القرآن، ص: ۱۷
- ۳۵ القرآن: سورۃ البقرہ (۲): ۱۰۶
- ۳۶ القرآن: سورۃ النور (۲۴): ۲ ص: ۵۶
- ۳۷ القرآن: سورۃ المائدہ (۵): ۳۸
- ۳۸ شافعی: محمد بن ادریس: امام، الرسالہ، ص: ۱۱۱-۱۱۲
- ۳۹ شوکانی، ارشاد الفحول، ص: ۱۹۲
- ۴۰ ابن الامیر، التقریر والتحریر، ص: ۶۳
- ۴۱ شافعی، الرسالہ، ص: ۱۱۰

- 42 شافعي، الرسالة، ص: ١٣٤-١٣٦
- ٤٣ ايضاً
- ٤٤ ايضاً
- ٤٥ ابن جوزي، نواسخ القرآن، ص: ١٦
- ٤٦ الشاطبي: الموافقات في اصول الشريعة، ج: ٣، ص: ٥٢٠، بيروت: دار لكتب العلمية، ١٤٢٣هـ
- ٤٧ ابن جوزي، نواسخ القرآن، ص: ١٦
- ٤٨ القرآن: سورة البقرة (٢): ٢٤٥
- ٤٩ سيوطي، الاتقان، ج: ٢، ص: ٢٤٥
- ٥٠ القرآن: سورة البقرة (٢): ٢٢١
- ٥١ القرآن: سورة المائدة (٥): ٥٥
- ٥٢ سيوطي، الاتقان، ج: ٢، ص: ٢٤٥
- ٥٣ سيوطي، الاتقان، ج: ٢، ص: ٣١: ابن العربي، احكام القرآن، ج: ١، ص: ٣٨٨
- ٥٤ القرآن: سورة الاعراف (٧): ١٩٩
- ٥٥ سيوطي، الاتقان، ج: ٢، ص: ٣١: ابن العربي، احكام القرآن، ج: ١، ص: ٣٨٨
- ٥٦ القرآن: سورة المائدة (٥): ١٠٥
- ٥٧ سيوطي، الاتقان، ج: ٢، ص: ٣١: ابن العربي، احكام القرآن، ج: ١، ص: ٢٠٥
- ٥٨ شاه ولي الله، الفوز الكبير، ص: ٢٢
- ٥٩ سيوطي، الاتقان، ج: ٢، ص: ٢٢
- ٦٠ سيوطي، الاتقان، ج: ٢، ص: ٢٢
- ٦١ القرآن: سورة المائدة (٥): ٣٣
- ٦٢ القرآن: سورة المائدة (٥): ٣٣
- ٦٣ ابن سلامة، النسخ والمنسوخ، پبلا ايڊيشن، (بيروت، المكتب الاسلامي 1404هـ)، ص: ٨0
- ٦٤ القرآن: سورة النساء (٤): ١٥
- ٦٥ شاه ولي الله، الفوز الكبير، ص: ٢٢
- ٦٦ القرآن: سورة البقرة (٢): ٢٣٣
- ٦٧ ايضاً
- ٦٨ ابن سلامة، النسخ والمنسوخ، پبلا ايڊيشن، (بيروت، المكتب الاسلامي 1404هـ)، ص: ٥٥
- ٦٩ القرآن: آل عمران (٣): ٩٤
- ٧٠ ايضاً
- ٧١ القرآن: سورة النور (٢٤): ٢٤
- ٧٢ القرآن: ايضاً (٢٣): ٢٩
- ٧٣ القرآن: سورة النور (٢٤): ٣١
- ٧٤ القرآن: ايضاً (٢٣): ٦٠

- ۷۵ ابن سلامہ، النسخ والمنسوخ، ص: 134
- ۷۶ القرآن: سورة النساء (۴): ۶۱
- ۷۷ القرآن: النساء (۴): ۱۰
- ۷۸ ملاحظہ ہو: ابن حزم، النسخ والمنسوخ، طبعہ اولی (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1986)، ص: 32
- ۷۹ شاشی، نظام الدین، اصول الشاشی مع احسن الحواشی، ص: ۱-۲، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، طبعہ وسن ندارد
- ۸۰ ابن جوزی، نواسخ القرآن، ص: ۱۷
- ۸۱ الشاطبی، الموافقات، ج: ۳، ص: ۵۲۰
- ۸۲ شاشی، اصول الشاشی، ص: 2-1
- ۸۳ القرآن: سورة المائدہ (۵): ۳۸
- ۸۴ القرآن: سورة المائدہ (۵): ۵
- ۸۵ ابن جوزی، نواسخ القرآن، ص: ۱۷
- ۸۶ سیوطی، الاتقان، ج: ۲، ص: 130-129
- ۸۷ صحیح صالح، ڈاکٹر، مباحث فی علوم القرآن، طبعہ عاشرہ (بیروت، دار العلم للملایین، 1977ء)، 274
- ۸۸ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر، باب دوم، فصل دوم، ۳۶-۳۹
- ۸۹ القرآن: سورة البقرہ، (۲): ۱۸۰
- ۹۰ القرآن: سورة الانفال (۸): ۶۵
- ۹۱ القرآن: سورة الاحزاب (۳۳): ۵۱
- ۹۲ القرآن: سورة المجادلہ (۵۸): ۱۲
- ۹۳ القرآن: سورة المزمل (۷۳): ۱-۲
- ۹۴ غزالی، محمد، المستصفی، مصر قاہرہ: مطبع مصطفی محمد، (1937) ج: ۱، ص: 79-78
- ۹۵ ابن تیمیہ، مجموع فتاوی، ج: ۱۹، ص: ۱۹۷
- ۹۶ غزالی، المستصفی، ج: ۱، ص: ۲۱۵
- ۹۷ شوکانی، ارشاد الفہم، ص: 193
- ۹۸ زنجشیری، جار اللہ، الکشاف، تفسیر سورة نساء، (۴): ۱۱؛ المرائی، مصطفی، تفسیر المرائی، ج: ۴، ص: ۱۹۷
- ۹۹ قلعہ جی رواس، فقہ عمر (اردو ترجمہ)، لاہور: اسلامک پبلیشنگ کمپنی، ص: 67